بیرسٹر کے ایل گابا — ترجمہ: پروفیسر تاثیر وجدان

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا مقدمہ عدالت

آج فصیح البیان مقررین کا زمانہ بیت چکا ہے۔ سر یندر ناتھ بنیرجی، فیروز شاہ مہتہ۔ محمد علی جناح، اینی بسنت، سری نواس شاستری، لالہ لاجپت رائے اور بہت سے دوسرے شعلہ نوا مقررین کا دور کہ جنھوں نے لاکھوں انسانوں کے اندر اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے بیداری پیدا کی اور (انقلاب عام سے) برطانوی سلطنت کی چولیں ہلا کر رکھ دیں۔ انسانوں کا یہ قبیلہ آج فی الواقع معدوم ہو چکا ہے۔

مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کئی نقطہ نظر سے اپنے دور میں ہندوستان کے ممتاز ترین اور خوفناک ترین مقرر تھے۔ ان کے دور عروج و ترقی میں اگر بالفرض ان کی ٹکر کے کوئی مقرر تھے بھی تو وہ تعداد میں برائے نام تھے۔ تین سے پانچ گھنٹوں کی تقریر ان کے لئے ایک عام سی بات تھی۔ سامعین کا جم غفیر، جو بعض اوقات ساٹھ ساٹھ ہزار انسانوں پر مشتمل ہوتا تھا ان کو سننے کے لئے نہایت صبر و تحمل سے انتظار میں رہتا۔ وہ عشاء کے بعد گیارہ بجے کے قریب سٹیج پر آتے تھے۔ اور پو پھٹنے پر سامعین کو چھوڑتے۔ جو پھر بھی گھروں کو بادلِ نخواستہ ہی جاتے ساری رات تقریر سن کر ان کا بالآخر گھروں کو جانا کسی شکم سیری یا بیزاری کے باعث نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ شاہ جی خود اس خیال سے انہیں چھوڑ دیتے تھے کہ (رات کا یہ وقت آخر) ان کے آرام و استراحت کے لئے ضروری ہے۔ وہ سامعین کو ہنسانے اور رلانے پر قادر تھے۔ وہ ان کے اندر جتنی آسانی سے تضحیک اور تنفر کے جذبات مشتعل کرنے کی قوت رکھتے تھے، اتنی ہی آسانی سے محبت، نرم دلی اور رحم کے جذبات ابھارنے کی صلاحیت بھی رکھتے تھے۔

شاہ جی اصل و نسل کے اعتبار سے عرب تھے۔ وہ بول چال میں عربی فارسی اور اردو کو استعمال کرتے تھے۔ وہ انگریز سے نفرت و عداوت رکھتے تھے۔ اور مرزائیوں کو بے حد ذلت و حقارت سے دیکھتے تھے۔ انڈین نیشنل کانگریس کی زمام قیادت کئی سال تک ان کے ہاتھوں میں رہی۔ اور کئی موقعوں پر قید و بند کی صعوبتوں کو مردانہ وار جھیلا۔ لیکن انہوں نے کبھی بھی اپنی خداداد قابلیت، اپنے نظریات اور اپنی قربانیوں کو کسی ناجائز نفع کے لئے داؤ پر نہیں لگایا۔

شاہ جی ہمیشہ سیاست کے موضوع کے مقابلے میں مذہب پر بحث و گفتگو کو ترجیح دیتے تھے۔ وہ کانگریس اور ملک کی پکار پر سرکار دربار کی قدس گاہ کو خیرباد کہہ کر ستیہ گرہ کی تحریکوں کے حق میں، کبھی دوسروں کو انتخابات میں کامیاب کرانے، کبھی اپنی آتش بیانی سے سامعین کو (حق و صداقت کے لئے) شعلہ زن کرنے، کبھی عوام کو سیاسی جمود و خمود سے چھٹکارا دلانے اور کبھی ملک و قوم کے نام پر ایثار و قربانی کے الاؤ بھڑکانے کے لئے میدانِ عمل میں اترتے تھے۔

جب ہندوستان بھی جنگ عظیم دوم میں شامل ہو گیا تو شاہ جی بہت جلد حکومت برطانیہ کی پالیسیوں کے ایک مخالف کی حیثیت سے نمایاں ہو کر ابھرے۔ اس وقت حکومت پنجاب کا سربراہ بحثیت وزیر اعظم سرسکندر حیات خاں مرحوم تھا۔ وہ برطانوی حکومت کے مقصد اور مشن کے انتہائی وفادار حامیوں میں سے تھا۔ شاہ جی نے ۱۹۳۹ء کے موسم گرما میں بہت سی تقاریر کیں۔ جن میں سے ایک تقریر، کو جو راولپنڈی میں کی گئی، عدالتی مقدمے کی بنیاد بنانا حکومت کے لئے ذرا بھی مشکل نہ تھا۔ لیکن شاہ جی بھی معمولی آدمی نہ تھے۔ اور اس لئے (جیسا کہ اس زمانے میں یہ بات عام ہو گئی تھی) عوام کو جوشِ عمل پر اکسانے والے اور اپنی پوشیدہ قوت کے لحاظ سے اس خطرناک ترین مقرر سے ملک کو نجات دلانے کی خاطر سیکرٹریٹ میں ایک انتہائی شیطانی سازش کا منصوبہ تیار کیا گیا۔

ان پر شاہ برطانیہ کے خلاف بغاوت کا الزام لگایا گیا۔ یا دوسرے الفاظ میں انہیں غدار قرار دیا گیا۔ جو قانونِ فوجداری کی رو سے ایک سنگین ترین جرم تھا۔ اور جس کی سزا پھانسی تھی یا عمر قید بہ عبور دریائے شور۔

چنانچہ آغاز جنگ کے فوراً بعد شاہ جی ضابطہ، تعزیرات ہند کی دفعہ نمبر ۱۲۱ الف کے تحت جاری ہونے والے ایک وارنٹ کے ذریعے گرفتار کئے گئے۔ شاہ برطانیہ کے خلاف بغاوت کا یہ مقدمہ حکومت پنجاب کے خاص حکم سے قائم ہوا۔ اور کئی مہینوں تک انہیں ایک حوالاتی ملزم کی حیثیت سے زیر حراست رکھا گیا۔ کیونکہ اتنے سنگین جرم کے لئے ضمانت کی درخواست مسترد کر دی گئی تھی۔ الزام کا لب لباب یہ تھا کہ شاہ جی نے ۳ جون ۱۹۳۹ء کی رات راولپنڈی کے مقام پر ایک ایسی تقریر کی تھی جس میں کئی دوسری باتوں کے علاوہ اس امر کا حوالہ بھی تھا کہ حکومت برطانیہ نے شہنشاہ ہند بہادر شاہ ظفر کے بیٹوں کو ناحق قتل کیا اور یہ بھی کہا تھا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ ہندوستان میں برطانوی حکومت کا تختہ الٹ دیا جائے اور یہ کہ ہندوستان اپنا قابل قدر حصہ آزادی پہلے ہی حاصل کر چکا ہے۔ اور اب ان غیر ملکی استحصالیوں اور قصابوں کو پوری طرح ملک بدر کرنے کے لئے عوام کو صرف ایک پُرعزم جذبۂ عمل کی ضرورت ہے۔ یہ الزام بھی تھا کہ (انہوں نے کہا) مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ قابلِ نفرت سامراج کو ملک سے باہر نکال پھینکنے کو جہاد (یعنی ایک مقدس جنگ) سمجھیں۔ نیز انہوں نے اپنے سامعین کو یہ کہہ کر بھی اشتعال دلایا کہ اب یہ کام صرف ایک ہی طریقے سے ممکن ہے کہ "یا مرو یا مارو" قانونی سزا کی رو سے تقریر بغاوت پر اکسانے والی بھی تھی۔ (جو دفعہ ۱۲۴ الف کے تحت لائق تعزیر تھی) اور ساتھ ہی شاہ برطانیہ کے خلاف جنگ آزما ہونے کے مترادف بھی تھی۔ (جو ضابطہ تعزیرات ہند کی دفعہ ۱۲۱ کے تحت قابلِ سزا تھی)

یہ مقدمہ بہت زیادہ سیاسی اہمیت کا حامل تھا کیونکہ عوام میں اس امر کی پیش گوئی پائی جاتی تھی کہ حکومت سزا کے سلسلے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھے گی۔ اس لئے میں شاہ جی کے قانونی دفاع کے معاہدے کو اپنے لئے ایک طرح کا اعزاز خیال کرتا تھا۔ لیکن میں یہ بھی جانتا تھا کہ یہ کافی ذمہ داری کا ایک معاملہ بھی ہے۔ کیونکہ

عامتہ الناس کو اس مقدمہ میں بڑی دلچسپی تھی۔ اور شاہ جی کی ہر دلعزیزی اپنے انتہائی عروج پر تھی۔ اور عصری خلفشار اور جوش و جذبہ کی وجہ سے اس مقدمے کو ایک بڑی جنگ سمجھا جا رہا تھا۔ کیونکہ اس کا تعلق دو مضبوط شخصیتوں سر سکندر حیات وزیر اعظم حکومت پنجاب اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے درمیان باہمی ٹکراؤ سے تھا۔ جن میں سے ایک خوشگوار لیکن بے رحم منتظم تھا۔ اور دوسرا نتائج سے بے پرواہ آتش بیان خطیب جسے مسلم عوام بت کی طرح پوجتے تھے۔ راولپنڈی کے ایک مجسٹریٹ نے ابتدائی تحقیقات کی اور بادی النظر میں مقدمہ کو اہم خیال کرتے ہوئے بغاوت کے اکسانے اور شاہ برطانیہ کے خلاف جنگ آزمائی کی ترغیب دینے کے الزام میں آئندہ تجویز مقدمہ کے لئے اسے سیشن کے سپرد کر دیا۔

مقدمے کی اہمیت کے پیش نظر لاہور ہائی کورٹ نے کارروائی لاہور منتقل کر دی۔ اور ہدایت کی کہ لاہور کا سیشن جج مقدمہ کی سماعت کرے۔ اس وقت یہ سیشن جج انڈین سول سروس کا ایک شخص مسٹر ڈیمی فالشا تھا۔ جو آج کل شملہ ہائی کورٹ کا مسٹر جسٹس فالشا کہلاتا ہے۔ فالشا ہمیشہ ہی ایک سخت گیر جج رہا۔ جس کے سامنے کسی مقدمے کی پیروی کرنا یا اس پر بحث و استدلال کرنا آسان کام نہیں ہوتا تھا۔ کیونکہ وہ زود رنج تھا۔ اور طبیعت میں غصے کا میلان رکھتا تھا۔ لیکن ایک ایسا وکیل جو اس کی زود رنجی اور سختی کو نرم کرنے اور طبیعت کے اشتعال کو اعتدال پر لانے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اس کے لئے فالشا ایک نہایت اعلیٰ جج تھا۔ جو با اصول، منصف مزاج، اور ہر قسم کے تعصب سے آزاد ہوتا تھا۔ فوجداری کے کسی مقدمہ میں جب تنقیحات مقدمہ پر ان کی توجہ مبذول کرائی جاتی تو کسی بھی ملزم کو عدالتی دیانتداری کے اعلیٰ ترین معیار کی توقع فالشا سے زیادہ (کسی اور) جج سے نہیں ہوتی تھی۔ مقدمے کی سماعت، لاہور کی سیشن عدالت کے ایک بڑے کمرے میں ہوئی جو لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ فالشا چار رائے دہندگان کے ہمراہ اپنی عدالت کی نشست پر براجمان تھا۔ عبدالعزیز کو (جو کہ اب لاہور ہائی کورٹ کا مسٹر جسٹس ہے) شاہ برطانیہ کی نمائندگی کے لئے خصوصی وکیل سرکار مقرر کیا گیا تھا۔ ملزم (عطاء اللہ شاہ بخاری) کی طرف سے وکیل صفائی کے فرائض میں نے سرانجام دیئے۔ (چودھری مراد علی راولپنڈی کے وکیل میرے ساتھ تھے) چودھری صاحب میرے ایک نہایت ہی معتمد اور کار آمد جونیئر ثابت ہوئے۔ انہیں اس کیس کی بہت سی باتوں کا ذاتی علم اتنا تھا کہ میں نے ان سے بطور گواہ صفائی کام لینے کے غیر معمولی خطرہ کا فیصلہ کر لیا۔ خوش قسمتی سے یہ خطرہ مول لینا مفید ثابت ہوا۔ اور مراد علی کی گواہی نے جج اور رائے دہندگان کو بہت متاثر کیا۔ لیکن اس کے آنے سے قبل سرکار کی جانب سے اس مقدمہ کی تائید میں متعدد گواہ پیش ہوئے۔

عدالت کی کارروائی کے درج ذیل اقتباسات ان رپورٹوں پر مبنی ہیں جو لاہور کے انگریزی روزنامہ "ٹری بیون" میں شائع ہوتی رہیں سرکار کی جانب سے مقدمہ کا آغاز کرتے ہوئے وکیل سرکار نے کہا کہ ملزم نے ۳ جون ۱۹۳۹ء کو راولپنڈی میں ایک تقریر کی۔ یہ تقریر استغاثہ کے مؤقف کے مطابق ایسے ٹکڑوں پر مشتمل تھی جو تعزیرات ہند کے جرم زیر دفعہ ۱۲۱ الف (شاہ برطانیہ کے خلاف جنگ آزمائی) اور جرم زیر دفعہ

۱۲۴ الف (حکومت برطانیہ کے خلاف ترغیبِ بغاوت) کی زد میں آتے ہیں۔ ملزم کی تقریر جسے پولیس رپورٹر ضبط تحریر میں لایا تھا۔ نیز ملزم پر جو الزام عائد کئے گئے تھے، عدالت میں پڑھ کر سنائے گئے۔ وکیل صفائی نے روزنامہ "ٹری بیون" مورخہ ٦ جون کا ایک شمارہ عدالت میں پیش کیا جس میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی متعلقہ تقریر کی رپورٹنگ کی گئی تھی۔ اور عدالت سے درخواست کی کہ ٹری بیون کے نامہ نگار رام لال چڈھا کو بطور گواہ پیش ہونے کے لئے سمن جاری کئے جائیں۔ زیر بحث رپورٹ استغاثہ کے الزام کا ایک پُورا پُورا مُسکت جواب تھی۔ عدالت نے درخواست سے اتفاق کیا اور رام لال چڈھا کو سمن جاری کرتے ہوئے پابند کیا کہ وہ تقریر کے اپنے قلمی نوٹس پیش کرے۔ تب عدالت نے استغاثہ کی شہادت قلمبند کی۔

سرداری لال انسپکٹر استغاثہ راولپنڈی نے بیان دیا کہ اس نے حکومت پنجاب کے زیر حکم اس مقدمے کے سلسلے میں ایک شکایت دائر کی ہے۔ متعلقہ کاغذات اس وقت کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ راولپنڈی ایف سی بورن نے اسے ارسال کئے تھے۔ گواہ نے جرح پر کہا کہ یاد نہیں کہ تقریر کی نقل حکومت پنجاب کو کب بھیجی گئی تھی۔ میں نے تو نقل صرف اس وقت دیکھی تھی جب مجھے متعلقہ کاغذات موصول ہوئے۔ آغا سعادت علی ڈی ایس پی راولپنڈی نے بیان دیتے ہوئے کہا کہ میں جون ۱۹۳۹ء میں راولپنڈی میں سٹی انسپکٹر پولیس تھا۔ مجلس احرار کے زیر سرپرستی راولپنڈی میں ۳ جون کو ایک جلسہ ہوا۔ اس کی مشتہری بذریعہ منادی کرائی گئی۔ میں نے محمد یار ہیڈ کنسٹیبل کو کارروائی کی مختصر نویسی (شارٹ ہینڈ) کا کام سونپا۔ اس نے اپنی نوٹ بک اگلے روز واپس کر دی۔ یہ نوٹ بک میرے قبضہ میں رہی۔ اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں لائی گئی۔ گواہ نے جرح میں کہا کہ کانگریس، مجلسِ احرار اور دوسری تنظیموں کے جلسوں کی رپورٹنگ کا انتظام میرے ذمے تھا۔ میں عام طور پر تقاریر کی مختصر نویسی کی خدمت پر محمد یار ہیڈ کنسٹیبل کو مامور کرتا تھا۔ محمد یار ہیڈ کنسٹیبل پھلور نے کہا کہ میں تقاریر کو مختصر نویسی کی صورت میں نقل کرتا تھا، اور پھر ان کی نقل تیار کر کے اگلے روز نوٹ بک انسپکٹر استغاثہ کے حوالے کر دیتا تھا،

سرکاری وکیل نے سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے گواہ سے پوچھا کیا تم انہیں جانتے ہو؟
گواہ نے کہا، ہاں میں انہیں پہچانتا ہوں۔

شاہ جی نے رائے دی کہ یہ ملزم شناخت کروانے کا بڑا عمدہ طریقہ ہے۔ انہوں نے سوال کیا کہ کیا یہ شناخت ہے یا میرا تعارف ہے؟ (حاضرین میں قہقہہ بلند ہوا) سرکاری وکیل نے کہا کہ تعارف کروانے کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ عطاء اللہ شاہ بخاری کو ساری دنیا جانتی ہے۔ (مزید قہقہہ بلند ہوا) پھر گواہ نے ملزم کی تقریر کے ان اقتباسات کا حوالہ دیا جن میں یہ کہا گیا تھا کہ برطانوی راج کا تمام ممکن ذرائع سے خاتمہ کر دینا چاہیئے۔ خواہ مرنے اور مارنے تک کی نوبت آجائے۔ ملزم پر مزید الزام یہ بھی تھا کہ اس نے یہ کہا کہ انگریزوں نے اُس بغاوت کے دوران جسے وہ عام طور پر "غدر" کہتے تھے علماء کی ایک کثیر تعداد کو موت کے

گھاٹ اتارا۔ یہ دراصل جنگِ آزادی تھی۔ گواہ نے کہا کہ میں نے ملزم کی تقریر کے ان حصوں کو چھوڑا ہے جن کا تعلق مذہب یا قرآن سے تھا۔ اس نے دعویٰ کیا کہ اس کے نوٹس غلطی سے مبرا تھے۔ ان نوٹس کو صاف کرنے پر ایک گھنٹہ صرف ہوا تھا۔ گواہ نے جرح میں کہا کہ شاہ جی نے اوسطاً ۹۰ الفاظ فی منٹ کی تیز رفتار کے ساتھ تقریر کی۔ اور انہوں نے جو کچھ کہا اسے وہ مکمل طور پر ضبط تحریر میں نہیں لاسکا۔ گواہ نے کہا کہ شاہ جی نے سکندر حیات خاں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اس وزیراعظم نے جنگ میں اہل برطانیہ کی مدد کا وعدہ کررکھا تھا۔ جب گواہ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ نے تقریر کا یہ حصہ اپنی ڈائری میں تحریر کیا تھا تو گواہ نے اثبات میں جواب دیا لیکن وہ یہ الفاظ اپنی ڈائری کے اندر دکھانے سے قاصر رہا۔ مزید سوالات پوچھے جانے پر گواہ نے تسلیم کیا کہ صوفی عنایت محمد (پسروری، مشہور احرار رہنماء) پر بھی جو اجلاس کی صدارت کر رہے تھے قانونِ تحفظ امن ہند کے تحت مقدمہ چلایا گیا تھا۔ اس نے مزید یہ بات بھی تسلیم کی کہ بہت سے لوگوں نے اجلاس میں نظمیں گا کر پڑھیں اور شاہ جی کی تقریر کے دوران ان لوگوں کی موجودگی کا اقرار کیا اور یہ بھی کہا کہ وہ یہ صلاحیت رکھتے تھے کہ شاہ جی کی تقریر کے متعلق شہادت دے سکیں۔ فضل کریم نے جو راولپنڈی کے ایک وکیل کا منشی تھا۔ بیان دیتے ہوئے کہا کہ میں اس اجلاس میں حاضر تھا جس سے ملزم نے خطاب کیا تھا۔ اجلاس کے فوراً بعد محمد یار نے مجھے پوری تقریر پڑھ کر سنائی تھی۔ اور میں نے نوٹس کی صحت کی نشانی کے طور پر ان پر اپنے دستخط بھی کئے تھے۔ میں نے تصدیق کی کہ رپورٹ میں جو الفاظ درج کئے گئے ہیں وہ ملزم نے کہے تھے۔ تقریر جو مجھے یاد تھی دو گھنٹے جاری رہی۔ اس نے کہا تاہم میرے لئے تقریر کی باز آفرینی مشکل کام ہے کیونکہ تقریر کو ایک سال گذر چکا ہے۔ تاہم اتنی بات ضرور یاد ہے کہ ملزم نے کہا تھا کہ میں برطانوی حکومت کا خاتمہ کر دینا چاہتا ہوں۔ میری جرح کرنے پر گواہ نے تسلیم کیا کہ پولیس کی امداد کرنے پر میں نے کئی اعزازی سرٹیفکیٹ حاصل کئے ہیں۔ میں نے جلسے میں شمولیت اس لئے کی کہ یہ جلسہ میرے محلے کے بالکل قریب منعقد ہوا تھا۔ اور پولیس رپوٹر محمد یار نے مجھے اپنے ساتھ جلسے میں چلنے کے لئے کہا تھا۔ میں مولانا مظہر علی اظہر سے واقف نہیں۔ میں نہیں جانتا کہ مولانا مذکور جلسہ میں موجود تھے یا نہیں۔ مجھے یاد نہیں کہ آیا شاہ جی نے کانگریس یا احرار کی طرف اشارہ کیا تھا یا نہیں۔

سوال: کیا شاہ جی نے یہ کہا تھا کہ کانگریس نے بہت سی قربانیاں دی ہیں۔

جواب: نہیں لیکن انہوں نے یہ ضرور کہا تھا کہ اہلِ ہند نے روپے میں سے دس آنے کامیابی حاصل کر لی ہے۔

اگلے گواہ سربراہ ذیل دار، جہانداد خاں نے اپنے گواہ کی تائید کی۔ جرح کرنے پر گواہ نے یہ بات تسلیم کی کہ مجھے پستول کا لائسنس دیا گیا تھا۔ اور ساتھ ہی پولیس کی سفارش پر مجھے رقم کی صورت میں معاوضہ بھی۔

میں نے ایک اچھے مقدمے میں تعاون اور کامیابی کے صلہ میں پولیس کی سفارش پر امتیازی سندات حاصل کیں۔ راولپنڈی کے ایک ٹھیکیدار مولوی فضل الہی نے بھی بیان دیتے ہوئے کہا کہ میں جلسہ میں موجود تھا۔ جب میں وہاں پہنچا تو اس وقت ملزم اپنی تقریر کا کچھ حصہ ختم کر چکا تھا۔ مجھے تقریر یاد نہیں لیکن تقریر کے وہ حصے جو محمد یار نے یہاں پڑھ کر سنائے ہیں وہ ملزم نے اپنی تقریر کے دوران کہے تھے۔ جرح ہونے پر گواہ نے کہا کہ مختصر نویسی کی نوٹ بک پر میرے دستخط کرنے سے پہلے محمد یار نے قرآن پاک اور دوسرے مذہبی موضوعات کو چھوڑ کر پوری تقریر کی نقل کو دہرانے میں پانچ منٹ صرف کئے تھے۔ میں مسلم لیگ سے ہمدردی نہیں رکھتا نہ ہی میں نے کبھی مسلم لیگ کے جلسوں میں شرکت کی مجھے مسلم لیگ یا کانگریس کے نصب العین کا علم نہیں۔ میں نے کبھی اخبار کا مطالعہ نہیں کیا۔ میں اس سلسلہ میں بالکل ناخواندہ ہوں۔ اس مرحلے پر عدالت کے پوچھنے پر میں نے (شاہ جی کے وکیل صفائی کے ایل گابا نے) کہا کہ ان اُنیس گواہوں میں سے جو صفائی میں طلب کئے گئے ہیں۔ ہم مسٹر محمد علی جناح، صدر مسلم لیگ کو چھوڑ رہے ہیں۔ کیونکہ ان کے تعاون کا امکان نہیں اور اسی طرح تین دوسرے گواہوں کو بھی باقی ماندہ پندرہ گواہوں پر بہ شمول سابق وزیراعظم صوبہ سرحد، صفائی کے لئے جرح بعد میں ہو گی۔ کیونکہ مقدمے کا اصل سوال یہ ہے کہ شاہ جی نے جلسہ میں اپنی تقریر کے دوران در حقیقت کیا کہا تھا؟

مولانا مظہر علی اظہر ایم ایل اے جنرل سیکرٹری آل انڈیا مجلس احرار صفائی میں بھگتنے والے پہلے گواہ تھے۔ انہوں نے اپنے بیان میں کہا کہ ملزم مجلس احرار ہند کے صدر اور نائب صدر کے طور پر کئی بار منتخب ہوئے۔ مجلس احرار کا نصب العین یہ تھا کہ عدم تشدد پر مبنی ذرائع کے بل پر (برطانوی سامراج سے) کامل آزادی حاصل کی جائے۔ گواہ نے مزید کہا کہ ملزم اور میں نے یکم اور تین جون کو پنڈی گھیپ (ضلع اٹک) کانفرنس میں تقریریں کی تھیں۔ ۳ جون کو ہم راولپنڈی میں آ گئے۔ جہاں ملزم نے تقریر کی۔ جس کا موضوعاتی مواد یہ تھا کہ انہیں آزادئ ہند کے لئے عدم تشدد پر مبنی جدوجہد جاری رکھنی چاہیئے اور مسلمانوں کو اس جدوجہد میں حصہ لینا چاہیئے۔ انہوں نے مجلس احرار پر لگائے گئے الزامات کی تردید کی۔ مثلاً یہ کہ مجلس احرار کانگریس کا بغلی بچہ ہے۔ ملزم نے حکومت برطانیہ کا ذکر ہی نہیں کیا۔ یا یہ الزام کہ انگریزوں نے بہادر شاہ ظفر کے بیٹوں کا خون بہادر شاہ کے سامنے پیش کیا۔ نہ ہی ملزم نے "مرو یا مارو" کا نعرہ لگایا۔ اس نے جو کچھ کہا وہ یہ تھا کہ عوام کو برطانوی وقار کا خاتمہ کر دینا چاہیئے۔ اور سکھر کے مقام پر بھی ملزم نے عدم تشدد کی ہی حمایت کی۔

وکیل سرکار کی جرح پر گواہ نے بیان دیتے ہوئے کہا کہ میں نے ملزم کی تقریر قلمبند نہیں کی۔ میرے علم کے مطابق کسی احرار کارکن کو آج تک تشدد کی تبلیغ پر سزا نہیں ہوئی۔ تشدد کا پرچار کرنے پر خود پارٹی ضابطے کے خلاف ورزی کی بنا پر اس کے خلاف کارروائی عمل میں لا سکتی تھی۔ گواہ نے بتایا کہ اس سے حفظِ امن عامہ کے سلسلہ میں سیالکوٹ کی ایک تقریر پر ضمانت لی گئی تھی۔ نیز یہ کہ اس نے کسی پولیس

رپورٹر کو نہیں دیکھا تاہم وہاں چند اخباری رپورٹر موجود تھے۔

سوال: جہاد کا مفہوم کیا ہے؟

جواب: اس کا مطلب جُہد، کوشش ہے جس میں تشدد بھی ہوسکتا ہے اور عدم تشدد بھی۔

سوال: کیا عام طور پر اس کا مطلب ایک مقدس جنگ نہیں لیا جاتا۔

جواب: ہاں ایسا ہی ہے۔

راولپنڈی کے ایک تاجر بخشی ابناشی رام نے اپنے بیان میں کہا کہ ملزم نے ۳ جون ۱۹۳۹ء کو ایک تقریر کی، میں جلسے میں موجود تھا۔ ملزم نے اپنی تقریر میں کہا کہ ہندوستان میں بسنے والے نو کروڑ مسلمانوں میں سے جو یہ سوچتے ہیں کہ ہندوستان کی آزادی کے لئے کام کرنے کا کوئی جواز نہیں وہ فریب میں مبتلا ہیں۔ لوگوں کو جیلوں میں جانے اور سول نافرمانی کی مہم چلانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ضرورت صرف ووٹوں کے صحیح استعمال کی ہے۔ اگر وہ احرار کو ووٹ دے دیں تو نو کانگریسی صوبوں کی طرح انہیں بھی حکومت مل سکتی ہے۔ گواہ نے بیان میں کہا کہ یہ بات غلط ہے کہ ملزم نے مرو یا مارو کے الفاظ استعمال کئے۔ عوام سے صرف یہ کہا تھا کہ وہ عدم تشدد پر سختی سے کار بند رہیں۔ اور برطانوی وقار کا خاتمہ کر دیں۔ سرکاری وکیل کی جرح پر گواہ نے بیان میں کہا کہ یہ بات غلط ہے کہ مسلمان عام طور پر خیال کرتے ہیں کہ مجلس احرار تو صرف کانگریس کے بھاڑے کا ٹٹو ہے۔ میں گذشتہ تین عام جلسوں میں شریک ہوا اگرچہ میں نے تقریر کے کوئی حصے قلم بند نہیں کئے۔ تاہم تقریر کا خلاصہ میرے علم میں ہے۔ صفائی کے ایک اور گواہ چودھری مراد علی وکیل راولپنڈی نے بیان دیتے ہوئے کہا کہ میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے ۳ جون ۱۹۳۹ء کے جلسۂ عام میں موجود تھا۔ مولانا نے جلسے میں عدم تشدد کی تبلیغ کی۔ اور اپنی تقریر میں جہاد کا حوالہ دیا۔ لیکن اس انداز سے نہیں جیسے پولیس رپورٹر کی رپورٹ میں تذکرہ کیا گیا ہے۔ ملزم نے صرف یہ کہا تھا کہ ۱۸۵۷ء میں علماء نے آزادیٔ ہند کے لئے جہاد کا مطالبہ کیا تو نتیجہ قتل و غارت گری کی صورت میں برآمد ہوا۔ اس لئے اب علماء نے فیصلہ کیا ہے کہ تشدد آزادی ہند کے لئے صحیح راستہ نہیں۔ انہیں چاہیئے کہ وہ آزادی عدم تشدد کے ذریعے حاصل کریں۔ ملزم نے یہ بھی کہا کہ ہندوستان پر برطانوی وقار کا خاتمہ ہونا چاہیئے۔ لیکن اس نے "مرو یا مارو" کے الفاظ استعمال نہیں کئے۔ یہ گواہ نچلی عدالت میں ملزم کا وکیل بھی تھا۔ جس پر گواہ نے تسلیم کیا کہ مسٹر گابا نے نچلی عدالت میں مقدمے کے حق میں استدلال کیا تھا۔ مولوی شمس الدین خطیب مسجد پنڈی گھیپ ایک اور گواہ تھا جس پر جرح ہوئی۔ اس نے اپنے بیان میں کہا کہ پنڈی گھیپ میں یکم تا ۳ جون مجلس احرار کی دعوت پر ایک کانفرنس منعقد ہوئی اور ملزم نے دو یا تین تقریریں کیں۔ ملزم کی تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ ہمیں آزادی صرف عدم تشدد کے ذریعے حاصل کرنی چاہیئے۔ ملزم نے پولیس کی تنخواہ میں اضافے کی ضرورت کی بھی حمایت کی۔ (قہقہہ) ڈاکٹر محمد عمر فزیشن سرجن نے کہا کہ میں ملزم سے واقف ہوں۔ میں نے ۸، ۹، ۱۰ جون کو سکھر کا دورہ کیا تھا اور سکھر کی مجلس احرار کی دعوت پر ایک کانفرنس میں شرکت کی تھی۔ ملزم نے کئی

تقاریر کیں جن میں اس نے عدم تشدد کا پرچار کیا تھا۔ صوبہ سرحد کے سابق وزیراعلیٰ ڈاکٹر خان صاحب نے بھی مدعا علیہ کے حق میں شہادت دیتے ہوئے کہا کہ احرار عدم تشدد پر پوری مضبوطی سے جمے ہوئے ہیں۔ روزنامہ "ٹری بیون" کے رپورٹر رام لال چڈھا نے کہا کہ اس نے ۳ جون کی تقریر اپنے روزنامہ کے لئے قلمبند کی تھی۔ اس نے گواہی دیتے ہوئے کہا کہ تقریر کے سرکاری ترجمے میں ملزم پر جن الفاظ کے استعمال کرنے کا الزام لگایا گیا ہے وہ اس نے نہیں کہے۔ چونکہ ملزم کو اپنی صفائی میں بھگتنے والے گواہوں کی سربراہی حاصل تھی۔ اس لئے آخری بیان حکومت کے ذمے تھا۔ جب اس کی صفائی میں دلائل شروع ہوئے تو مجھے (کے ایل گابا کو) چند لمحوں کے لئے (دلائل دینے میں) دقت محسوس ہوئی کیونکہ جج کے رائے دہندگان میں سے کوئی بھی زیادہ انگریزی سے واقف نہ تھا۔ اور فالشا نے اردو کے علاوہ کسی اور ذریعہ اظہار میں دلائل سننے سے انکار کر دیا۔ بغاوت اور اغوا کے مقدمے کو اردو زبان میں زیر بحث لانا آسان کام نہ تھا۔ لیکن میں نے یہ فیصلہ کیا کہ میں یہ بات بھول جاؤں کہ کمرہ عدالت میں کھڑا ہوں۔ اور اپنی بات کو اس انداز میں بڑھایا جیسے یہ کوئی عوامی پلیٹ فارم اور اس کی سیاست ہو۔ اور جس کے لئے کسی قانون قاعدے کی چنداں ضرورت نہ ہو۔ اس کا اثر اور نتیجہ حیران کن رہا۔ میرا استدلال ایک گھنٹے تک جاری رہا۔ اور بعض ناظرین کے خیال کے مطابق ملزم نے جس طرح راولپنڈی میں نتائج سے بے پرواہ ہو کر تقریر کی تھی میں نے اس سے بھی زیادہ بے پرواہ ہو کر خطاب کیا۔ ایک مرحلے پر عبدالعزیز نے میری قطع کلامی کرنا چاہی توجج نے اسے ناگواری سے دیکھا۔ اور عبدالعزیز سہم کر خاموش ہو گیا۔ اور جب عبدالعزیز کی باری آئی تو بلاشبہ اس نے میرے پیش کردہ دلائل کو رد کرنے کی سخت کوشش کی۔ لیکن میرا خیال ہے کہ وہ جانتا تھا کہ وہ اس وقت تک ساری کھیل ہار چکا ہے۔ قانونی تشخیص کنندگان نے بہ یک زبان یہ اعلان کیا کہ ملزم مجرم نہیں اور جج فالشا نے اس فیصلے سے اتفاق کرتے ہوئے ملزم کو ہر دو الزامات سے بری کر دیا سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ وہ میرے پاس پہنچے اور مجھ سے بغلگیر ہو گئے۔ انہوں نے میرے دونوں رُخساروں پر بوسہ دیا۔ لوگوں کا ایک پُر جوش و خروش ہجوم امڈ آیا جو مجھے بھی ہمراہ لیکر جلوس کی شکل میں شہر میں گشت لگانا چاہتا تھا۔ شام کو سٹی گارڈ نز میں حکومت اور قادیانیوں کے خلاف ۴ گھنٹے تک زور خطابت صرف کر کے شاہ جی نے پچھلے بقائے کا سارا حساب چکا دیا۔ تاہم یہ تقریر ایسی کسی مشکل میں پھنسانے کا باعث نہ بن سکی۔ میں اگلے روز کے مقدمے پر ایک نظر ڈالنے کے لئے عدالت سے واپس چلا گیا۔ اُس مقدمے میں میری بہترین کوشش کے باوجود جج نے شاید میرے خلاف ہی فیصلہ دیا۔ لیکن یہ تو ہر وکیل کا روزمرہ کا نصیب ہے۔

FROM "BATTLES" AT THE "BAR"

"THE TRIALOFATTAULLAHSHAH P:۱—۹

BY K L GAUBA ,BOMBAY